

جناب ڈاکٹر عبدالغنی صاحب
تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ

قرآن کا نظریہ کائنات

- صدیوں سے جاری ایک تصادم کا بیان
- اصل کشمکش صاحب ایمان سائنس دان اور لادین سائنس دان کے درمیان ہے۔
- بات نظریے کی ہے لیکن اس کا تعلق عمل سے ہے۔

مَا تَدْرِي فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتٍ فَأَرْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَدْرِي مِنْ فَطْرِهِ (الملك ۱۳)

تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے وطنی نہ پاؤ گے۔ پھر لوٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟

فطرت و قدرت کے الفاظ عام طور پر ایک ہی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن ان کے درمیان لغت کے اعتبار سے ایک فرق ہے فطرت دنیا میں پیدا ہونے والی چیزوں کی

فطرت و قدرت

اصلیت ہے اور اس لحاظ سے ہستی کے جتنے مظاہر ہیں سب کا تعلق فطرت سے ہے۔ آدمی کے نقطہ نظر سے ایک فطرت اس کے وجود کے اندر ہے، دوسری فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی پوری کائنات ہے۔ قدرت درحقیقت خدا کی اس قوت و طاقت اور اس کے بنائے ہوئے اس منصوبہ و نظام کا نام ہے جو زندگی کے تمام جلووں اور پہلوؤں پر حاوی ہے۔ چنانچہ اگر محاورے میں فطرت کو بھی قدرت کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں وجود کے تمام مظاہر کو ایک خدا کی مخلوقات سمجھا جاتا ہے۔

فطرت و قدرت کی یہ ہم آہنگی بلاوجہ نہیں۔ یہ انسان کے ضمیر کی آواز بھی ہے اور زندگی کا قانون بھی۔ ہزاروں لاکھوں سال سے جو کارخانہ ہستی چل رہا ہے وہ بے بنیاد اور بے معنی نہیں۔ اس کا ایک مقصد ہے۔ آدمی کی عقل نے جس حد تک بھی اس مقصد کو سمجھا ہے اسے محسوس ہوا ہے کہ کائنات کی تخلیق کس بالاتر ہستی کے ارادے سے، اس کے منصوبے کے مطابق ہوتی ہے اور حیات ایک نعمت ہے جو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے تقاضے پورے کیے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کی جائیں۔ یہ احساس خدا کی مشیت اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر کی طرف بہت واضح اشارہ کرتا ہے، جس سے زندگی کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اہمیت انسان سے زندگی کے متعلق ایک سنجیدہ رویے کا مطالبہ کرتی ہے۔ دنیا کھیل ٹاشے کی

جگہ نہیں ہے۔ یہاں زندگی کی جو نوعیت ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کچھ کر دکھانے کی جگہ ہے اور جو کچھ کیا جائے گا اس کا حساب ہوگا، جس کے مطابق کرنے والے کی حیثیت کا تعین ہوگا ایسی حالت میں آدمی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ فطرت و قدرت کی حقیقتوں، اصولوں اور مطالبوں کو سمجھ کر ان کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی ہستی نہ صرف باقی رہے بلکہ اسے صحیح طور پر ترقی کا موقع ملے۔

حیات و کائنات

فطرت و قدرت کی طرح حیات و کائنات کے الفاظ بھی بکثرت ساتھ ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے معنوں میں جو فرق ہے وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ ہے کہ حیات و کائنات کے درمیان ایک اندرونی ربط ہے۔ حیات بغیر کائنات کے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کائنات کا کوئی تصور حیات کے بغیر معمول کے مطابق نہیں کیا جاسکتا، کائنات جب ہے تو اس میں حیات بھی ہے۔

اب کائنات اور اس میں حیات کی جو شکل ہمارے سامنے ہے اور ہم نے دونوں کی حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم اس کے سوا کوئی ادب بات نہیں کہہ سکتے بلکہ اس اقرار پر مجبور ہیں کہ حیات و کائنات ایک واقعہ ہے، ایک ہستی ہے، کوئی فریب نہیں، کوئی خواب نہیں۔ لہذا حیات و کائنات کے متعلق ہمیں پوری بنجیدگی سے ایک رائے قائم اور ایک رویہ اختیار کرنا چاہیے، تاکہ ہم سبیل اور سرالوں کے پیچھے نہ دوڑتے رہیں اور دھوکا نہ کھائیں۔ زندگی کو یہ یاد نہیں کریں، بلکہ حقیقتوں کو سمجھ کر شعور کی روشنی میں اپنی قوت اور وقت کا استعمال زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے کریں۔

بنیادی رویہ

فطرت و قدرت اور حیات و کائنات کے متعلق بنیادی طور پر انسان کے لیے ضروری ہے کہ ایک واضح رویہ اختیار کرے، ورنہ دنیا میں اس کی زندگی بالکل غیر فطری اور بے کار ہوگی۔ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ جو حیات اسے ملی ہے وہ کیا ہے، جس کائنات میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے اور جس فطرت پر اسے پیدا کیا گیا ہے یادہ پیدا ہوا ہے اور جو فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اس کے پیچھے کون سی قدرت کام کر رہی ہے، تو ظاہر ہے کہ آنکھوں کے باوجود اس شخص کی زندگی ایک اندھے کی ہوگی، ایک ایسے اندھے کی جس کے سر اور دل دونوں کی آنکھیں بند ہوں گی، جس کا نہ کوئی ذہن و دماغ ہوگا نہ شعور و کردار۔

یہ بنیادی رویہ دو قسم کا ہو سکتا ہے، ایک یقینی، ایک غیر یقینی۔ تمام مشاہدات و تجربات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فطرت و قدرت اور حیات و کائنات کی اصلیت و حقیقت کا معاملہ غیب کا ہے اور صورت یہ ہے کہ اس سے متعلق یا تو کسی یقینی ذریعے سے کوئی واضح علم حاصل ہو جائے یا بالکل غیر یقینی طور

پر صرف قیاس و تخمین سے کام لیا جائے۔ دونوں صورتوں میں کچھ دلیلیں مل گئی، لیکن جو دلیل شک اور گمان کی بنا پر دی جائے گی ظاہر ہے کہ اس سے زندگی کا کوئی ٹھوس عمل پیدا نہیں ہوگا جب کہ یقین و اعتماد پر مبنی دلیل لازماً ایک ٹھوس عمل کی تحریک کرے گی اس طرح زندگی کے متعلق دو مختلف، بلکہ متضاد رویے رونما ہوں گے اور ان کے مخصوص نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

اس سلسلے میں رویوں کی سب سے واضح تقسیم یہ ہے کہ ایک رویہ مذہب کا ہے جس کی بنیاد وحی الہی پر ہے اور دوسرا رویہ لامذہبیت کا ہے جو آدمی کے عقلی قیاسات پر مبنی ہے۔ وحی کا صاف اقرار ایمان کی شان ہے اور وحی سے انکار یا اس کے متعلق تذبذب بے دینی کی کیفیت ہے۔ فطرت و قدرت اور حیات و کائنات کی معروف علامت و حکیمانہ تحقیق دونوں حالتوں میں ممکن ہے، مگر ان کے نتائج اور اثرات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں گے۔ وحی پر ایمان کے ساتھ انفس و آفاق کا حوشاہدہ و مطالعہ ہوگا وہ ایک مثبت ضابطہ عمل مرتب کرے گا، جب کہ اس ایمان کے بغیر زندگی کے مظاہر کا جو تجسس کیا جائے گا اس میں متقی قسم کی فکری تشکیک پائی جائے گی۔

پڑنے زمانے میں ان رویوں کی باہمی آویزش کو مذہب اور سائنس کی کش مکش سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ تعبیر صحیح نہیں تھی۔ سائنس کے لیے لامذہب ہونا ضروری نہیں اور مذہب کے لیے لازمی نہیں کہ وہ سائنس کی مخالفت کرے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک سائنس مذہب پسند ہو اور دوسری مذہب بے زار۔ یہ فرق بھی دراصل سائنس دان کے ذاتی رویے پر منحصر ہے، ورنہ سائنس بجائے خود ایک غیر جانبدار شے ہے، جس کا استعمال کسی بھی مقصد کے لیے ہو سکتا ہے۔

سائنس کا نظریہ کائنات | کائنات سے عالموں اور فلسفیوں کی دلچسپی بہت پرانی ہے۔ بعض اہل علم کے درمیان ستارہ شناسی ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ ASTROLOGY

ایک پرانا فن ہے، جس میں دنیا اور آدمی کے حالات و واقعات پر ستاروں کی چال کا اثر دکھایا جاتا ہے۔ اس جنتر منتر نے بڑھ کر باضابطہ علم نجوم ASTROLOGY کی شکل اختیار کر لی اور اس کی مزید ترقی طبیعیات نجوم ASTROPHYSICS کی تشکیل کا باعث ہوئی، یہاں تک کہ کائنات، اس کے سیاروں اور ستاروں کے مطالعہ کے لیے سائنس کے ایک تازہ ترین شعبے، علم کائنات COSMOLOGY کا وجود عمل میں آیا۔ لیکن کائنات کے سارے حکیمانہ مشاہدات کی مجلس موضوع پر پیرس سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب کے اس ذیلی عنوان سے معلوم ہو جاتی ہے۔

CONVERSATION ABOUT THE INVISIBLE

یعنی ”غیب کے متعلق گفتگو“

ظاہر ہے کہ غیب کے متعلق جس کی کھلی اور قطعی شہادت کسی ٹھوس شکل میں نہیں مل سکتی، انسان کی ہر گفت و گو فطن و تمحیل اور قیاس و گمان پر مبنی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے حقائق کی مادی تعبیر کے متعلق سائنس کو کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتی اور اس سلسلے میں اس کا کوئی دعویٰ کسی واضح دلیل پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دہائی تک سائنسدانوں کے درمیان یہ مباحثہ ہوتا رہا کہ کائنات ایک بار بند کرنا کیوں ہو گیا ہے یا مسلسل حرکت و ترقی کر رہی ہے ایک دوسری سائنس دان فزیشن کائنات کے متحرک ہونے کا خیال پیش کرتا رہا مگر ۱۹۵۰ء کی دہائی تک کائنات کی عمر کبھی دس بلین اور کبھی بیس بلین بتانے والے سائنس دان کائنات کی حرکت یا سکون کے متعلق اپنے اختلافات کا اظہار کرتے رہے۔ متحرک یا ساکن ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے محدود یا لامحدود ہونے کی منطقی بحث بھی چلتی رہی۔

H. BOND-T. GOLD - FRED HOYLE - WILLIAM FOWLER

مختلف اہل علم و حکمت کائنات کی تعبیر و تشکیل پر مباحثے کرتے رہے، گو وہ کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچ سکے۔ ان کی ایک بڑی الجھن اس سلسلے میں خدا کے اقرار و انکار کا مسئلہ تھا۔ سائنس دانوں نے "علم کی غیر جانبداری" میں اتنی انتہا پسندی دکھائی کہ انہوں نے سائنس کو بے خدا ATHEIST تسلیم کرنا ضروری سمجھا اور اسی مفروضے پر جس کا جلیقہ معرفت SCIENTIFIC OBJECTIVITY سے کوئی اصولی تعلق نہیں تھا، کائنات کے یک بارگی وجود کے بعد اس کو جاہد قرار دے دیا، اس لیے کہ کائنات کی مسلسل حرکت کسی محرک کی سبکی کا تصور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب صورت حال ہے اور بالکل محال و متضاد قسم کی ہے۔ ایک طرف ارتقاء EVOLUTION کا خیال ہے جو حرکت پر مبنی ہے اور دوسری طرف اس وجود کی وکالت ہے جو تخلیق CREATION کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس الجھن سے محسوس ہوتا ہے کہ لادین سائنس داں ارتقاء کا مطلب ٹھیکہ ٹھیکہ سمجھتے ہیں نہ تخلیق کا۔ اور ان کی جانب سے معرفت کے سامنے دعویٰ دراصل ایک موضوعی SUBJECTIVE مفروضے پر قائم ہیں۔ یہ طرز فکر کوئی فلسفہ ہو تو ہو، سائنس نہیں ہے۔ حکمت کے لیے انکار خدا کیوں ضروری ہے سب سے بڑا حکم اور حکمت بخش تو خدا ہی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں ضرب عظیم یا بڑی چوٹ BIG BANG کا وہ نظریہ سامنے آیا جس کا غلغلہ آج تک بلند ہے۔ اس کے علم بردار لیماٹریٹر اور گامو ہیں۔ اسی نظریے کے مطابق کائنات کا وجود ایک بیضہ اصلی ORIGINAL EGG سے ہوا جس میں ہر قدیم PRIMORDIAL ATOM بہت ہی بڑی مقدار میں بھرا ہوا تھا۔ اس پہلے انڈے کے اندر انتہائی کثافت، DENSITY کے ساتھ ساتھ حدت HEAT بھی تھی۔ یہ بنیادی مادہ ابتداء اپنے زبردست حجم میں تابانی و تاب کاری سے معمور تھا۔ اس پر دو اہم ترین سوالات اٹھتے ہیں:

۱۔ بیضہ اصلی کے عناصر کی ترکیب کیسے عمل میں آئی؟

۲۔ اس ترکیب کو وجود کے اگلے مرحلے پر کون حرکت میں لایا؟ اب سائنس کے تمام مکاتیب فکر انہی سوالوں کے

جواب کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ اور دیکھا جائے تو کائنات کی ہستی اور ترقی دونوں کا راز اس جواب میں پوشیدہ ہے، حیات کے اسرار و رموز بھی اس میں مضمر ہیں۔ یہ جواب وہ شاہ کلید MASTER KEY ہے جس سے زندگی کے بنیادی حقائق پر لگے ہوئے سب تالے کھل جاتے ہیں اور آفاق کی صداقتوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ لیکن سائنس والوں کی مشکل یہ ہے کہ سوالات کا تعلق درحقیقت غیب INVISIBLE سے ہے اور جواب ایمان FAITH کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔ غیب اور ایمان دونوں طبعی PHYSICAL امور نہیں، مابعد طبعی METAPHYSICAL امور ہیں اور علم کائنات کا آغاز بھی مابعد طبعی ہے، انجام بھی مابعد طبعی۔ لہذا ان سوالوں کے جواب سائنس سے نہیں، مذہب سے میرا سکتے ہیں۔

قرآن کا نظریہ کائنات | قرآن نے پہلے پارے کی پہلی ہی سورۃ کی بالکل ابتدائی آیتوں میں واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی کتاب جو ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کی گئی، ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح کائنات و حیات کے آغاز کے متعلق جو سراسر غیب کا معاملہ ہے، قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت واضح اعلان کرتی ہے:

”کیا وہ لوگ جنہوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ ہماری اس خلق کو نہیں مانتے؟ (الانبیاء: ۲۰)“

اس کے فوراً بعد کی آیتوں میں تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے:

۱۔ ”زمین میں پہاڑ جمادیئے، تاکہ وہ ڈھلک نہ جائے، اور اس میں کشادہ راہیں بنادیں، شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کریں۔“

۲۔ ”آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔“

۳۔ ”رات اور دن بنائے۔“

۴۔ ”سورج اور چاند کو پیدا کیا۔“

۵۔ ”سب ایک ایک، فلک میں تیر رہے ہیں“ (الانبیاء: ۲۱)

آخری نکتے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیری نوٹ یہ ہے:

”فلک، جو فخرس کے چرخ اور گردوں کا ٹھیک ہم معنی ہے، عربی زبان میں آسمان کے معروف ناموں میں سے ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں“ سے دو باتیں صاف سمجھ آتی ہیں۔ ایک یہ کہ سب تارے ایک ہی ”فلک“ میں نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا فلک الگ ہے۔ دوسرا یہ کہ فلک کوئی ایسی چیز نہیں جس میں تارے کھنٹیوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں اور وہ خود انہیں لیے ہوئے گھوم رہا ہو، بلکہ وہ کوئی سیال شے ہے یا فضا اور خلک سی نوعیت کی چیز ہے

جس میں ان تاروں کی حرکت تیرنے کے فعل سے مشابہت رکھتی ہے۔

ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی از سید ابوالاعلیٰ مودودی — ۱۹۶۸ء اشاعت اسلام ٹرسٹ، دہلی
مذکورہ بالا سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۳۰ کی کائنات کی تخلیق کے متعلق سائنس کے جدید ترین نظریے Big Bang کی طرف کھلا اشارہ نہیں کرتی؟ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ”آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا“ اس بیضہ اصلی پر ایک ضرب عظیم کا بیان ہے جس کی بات سائنس کرتی ہے۔ قرآن کے الفاظ صریحاً زمین و آسمان کی مرکب شکل کے ٹوٹنے کا تذکرہ کرتے ہیں، یعنی ابتداء کائنات میں جب وجود کے عناصر ترکیبی ایک دوسرے میں خلط ملط تھے ایک زوردار دھماکا Explosion خدا کے حکم سے اس کی مشیت کے مطابق ہوا، جس کے بعد ہستی کا ارتقاء اگلے مراحل میں داخل ہوا۔ دھماکے سے پہلے بھی جو عناصر پیدا ہو کر ایک مرکب شکل میں یک جا ہوئے وہ خدائی قدرت ہی کا کرشمہ تھا۔ وہی تمام چیزوں کا خالق ہے، عناصر وجود کی تخلیق، تحلیل اور ترکیب سب کچھ اس کی قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا۔

اس سلسلے میں زیر بحث آیت کا یہ جملہ کہ ”پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی“ کائنات اور اس میں حیات کی تخلیق قدرتی کے متعلق سائنس کے ایک اہم تصور پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نے جو نظریہ مشاہدے اور تجربے کے بعد قائم کیا، اس کی طرف اللہ کی کتاب وحی کے ذریعے واضح اشارہ کرتی ہے۔ قرآن مجید کا فکر انجیل و تورات کے بالکل عام اور جامع ہے تمام زندہ چیزوں کے لیے — جب کہ زندگی کا اطلاق انسان اور حیوان کے علاوہ نباتات اور جمادات پر بھی ہو سکتا ہے۔ پودے جس طرح لگنے بڑھتے اور بنتے پھیلنے ہیں وہ زندگی کی ایک علامت ہے۔ اس لیے ہر مخلوق زندگی کے کسی بھی دائرے میں، پانی کے مادہ حیات ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ پھر پانی کو بنیادی مادہ مان کر مختلف سطحوں پر مختلف قسم کی مخلوقات کے ارتقاء کا اسکاں بھی ہے۔ بہر حال، جو چیز بھی پیدا ہوتی ہے اس کا خالق خدا ہے اور پانی کو بھی اسی نے پیدا کر کے دیگر انبیا، مخلوقات کی تخلیق کے لیے مادے کے طور پر استعمال کیا۔
زیر بحث آیت سے مفصل آیات میں زمین، آسمان، رات دن، سورج اور چاند کی تخلیق کا تذکرہ کر کے قرآن نے کائنات کے متعدد اہم ترین مظاہر کا احاطہ کر لیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد وجود کی توسیع و ترقی اور نیسی اضافہ و ارتقاء خدا کی قدرت و مشیت کے تحت، اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہوا اور یہ جملہ کہ ”سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں“ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک خدائی منصوبے کے تحت ایک خاص ترکیب و ترتیب سے ہو رہا ہے۔ سائنس اس جملے سے سیاروں اور ستاروں کا مفہوم اخذ کر سکتی ہے، جب کہ کلام الہی نے ایک جامع اصول اور ایک عام قاعدے کی وضاحت کر دی ہے۔

یہ وہ نکلت ہیں جو قرآن میں مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے بار بار پیش کیے گئے ہیں۔ یہ چند آیتیں دیکھیں۔
 ”جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک
 دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی
 بھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا
 ہے اور اپنے اس انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور اے
 بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں“ (البقرہ ۱۹۴)
 ”اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جب کہ اس سے پہلے اس کا عرش
 پانی پر تھا۔ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے“ (سود-۷)

”ہم نے ہر چیز تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے“ (القرمہ ۴)

اس آیت کی تشریح مولانا مودودیؒ نے اس طرح کی ہے: ”یعنی دنیا کی کوئی چیز بھی الہی پیدائش پر
 دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جن کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے، ایک خاص شکل اختیار
 کرتی ہے۔ ایک خاص مدت تک نشوونما پاتی ہے، ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم
 ہو جاتی ہے۔“

مزید

”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل
 ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات ہمیں اس لیے بتائی جا رہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ
 کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے“ (الطلاق ۱۲)
 آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

”انہی کے مانند“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی زمینیں بھی بنائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ
 ایسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ اور ”زمین کی قسم سے“ کا مطلب یہ ہے کہ
 ہر طرح کی زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ
 ، کائنات میں اور زمینیں بھی بنا رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں۔ بالفاظ دیگر آسمان
 ں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ڈھنڈا پڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان
 بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیاؤں آباد ہیں۔“

قرآن کا نظریہ حیات

نظریہ کائنات کی تشریح کے ساتھ ساتھ نظریہ حیات کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

PHENOMENON OF LIFE اس لیے کہ اول تو کائنات خود ایک مظہر حیات

ہے، دوسرے کائنات بے حیات نہیں ہو سکتی اور کائنات کے اندر حیات کا وجود لازماً ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زمین و آسمان کے مرکب کے اجزائے ترکیبی کو ایک دوسرے سے جکڑ کر تخلیق کائنات کے آغاز کی جو نشانی دی ایک آیت میں کی ہے جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے، اس میں صراحت بھی کر دی ہے کہ خدا نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ یعنی کائنات کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ حیات کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ ایک دوسری آیت کے مطابق، جس کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے، زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت عرش خداوندی کے کسی نوعیت کے پانی کی سطح پر ہونے سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ حیات کے آثار کائنات کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔

لہذا دیکھنا چاہیے کہ کائنات میں حیات کے وجود کے متعلق قرآن کا نقطہ نظر کیا ہے۔ بطریقوں میں سے ایک مدت سے یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ کائنات و حیات کا ارتقاء EVOLUTION ہوا ہے یا ان کی تخلیق CREATION۔ جب سے ڈارون نے انیسویں صدی میں اصل الانواع ORIGIN OF SPECIES کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا ہے (۱۸۵۹ء) سائنس دانوں کا موقف ہو گیا ہے کہ کائنات و حیات کی تخلیق بہ یک دفعہ یا جنتہ نہیں ہوئی ہے، بلکہ تمام موجودات کا مسلسل ارتقاء اس طرح ہوا ہے کہ پیہم ایک چیز کے اندر دوسری بہتر چیز نکلتی چلی گئی ہے، اگرچہ سائنس کے اس مادی و سیکانکی نظریے میں سائنسدانوں نے خود ہی کم شدہ کڑیوں MISSING LINKS کا اقرار کیا ہے اور ان کے لیے سب سے بڑھ کر حل طلب بلکہ ناقابل حل سوال تو یہ ہے کہ وہ بنیادی مادہ کب، کہاں اور کیسے وجود میں آیا جس سے حیات و کائنات کا سلسلہ شروع ہوا؟

چونکہ سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے، لہذا اس کے لیے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس سلسلے میں کثرہ ارض پر مذہبی نقطہ نظر کا بہترین ترجمان قرآن ہی ہے، جو اسلامی نظریہ کائنات و حیات کی بنیادی دستاویز۔ قرآن کا موقف سمجھنے کے لیے سب سے پہلے حسب ذیل آیات پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔

”ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا“ (المجر ۲۶)

اس آیت کا مفہوم مولانا مودودیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں: ”یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کے حدر میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ نئے دور کے ڈاروینیت سے تاثر مفسرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتداء براہ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے مصلحتاً من حاسنوں کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ غیر اٹھ ہوئی مٹی کا ایک پتہ بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔“

مزید —

”اور اس سے پہلے جنوں کو ہم آگ کی لپیٹ سے پیدا کر چکے تھے“ (الحجر ۲۷)
 ”وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھا دیا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے، اور اوپر سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے“ (طہ ۵۴-۵۳)

”ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹہکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو دھڑے کی شکل دی، پھر دھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ڈبیاں بنائیں، پھر ڈبیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا پس بڑی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر“ (المومن ۱۲ تا ۱۴)
 ”اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدریں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں“ (الشعرا ۷۸)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لیتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور موشیوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ اس سے ڈرتے ہیں“ (فاطر ۲۸-۲۷)

”اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لیے موشیوں میں سے کٹھنڑا، زرمادہ پیدا کیے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تار یک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ جس کے یہ کام ہیں تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کہہ رہے ہو“ (الزمر ۶)

”اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو“ (الذاریات ۴۹)

”کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟“ (الطور ۳)

”ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے، اور ہمارا حکم پس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور ہلک جھپکاتے وہ

عمل میں آ جاتا ہے“ (الفرقہ ۵۰-۴۹)

”اور اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے“ (نوح ۱۲) (مولانا مودودی تشریح کرتے ہیں، تخلیق کے

مختلف مدارج اور اطوار سے گزارنا ہوتا ہے موجودہ حالت پر لایا ہے)

”اور اللہ نے زمین سے تم کو عجیب طرح آگایا۔“ (نوح ۷)

اس پر مولانا مودودیؒ کا نوٹ ہے۔

”یہاں زمین کے مادوں سے انسان کی پیدائش کو نباتات کے اگلنے سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح کسی وقت اس کرے پر نباتات موجود نہ تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو اگایا۔ اسی طرح ایک وقت تھا جب روئے زمین پر انسان کا کوئی وجود نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی پود لگائی۔“

”ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔“ (لقین ۴)

مذکورہ بالا آیات کے اشارے سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی سرسبز ہے پڑی ہوئی خود کار چیز نہیں ہے، یہ باضابطہ پیدائی گئی ہے اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس بات کا خالق نے خود دعویٰ کیا ہے اور تخلیق کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس لیے کہ وہی خدا نے کائنات اور مالک حیات ہے۔ اس نے کائنات کے ساتھ ساتھ حیات ایک اندازے اور مضبوطی کے مطابق پیدائی ہے۔ یہ اس کی بنائی ہوئی تقدیر ہے جس کے تحت ہر چیز بقدر ضرورت پوری اہمیت کے ساتھ پیدائی گئی ہے۔ ہستی کا ایک نظام ہے جو قدرت الہی کے مرتب کیے ہوئے فطری ضابطوں پر مبنی ہے۔ وجود خدا وجود نہیں ہے۔ اس کے کچھ فیصلے اور کچھ مقاصد ہیں۔ پھر وجود کی بے شمار شکلیں ہیں جو ایک منطقی ربط کے ساتھ باہم مربوط ہیں۔

خدا کی اس تخلیق میں ایک حکیمانہ ارتقاء ہے۔ ساری مخلوقات ایک دفعہ نہیں پیدا کر دی گئیں۔ وہ ایک تدریج و ترقیب کے ساتھ نمودار ہوئی ہیں۔ بنیادی اور اولین مادے کی تشکیل کے بعد، جس کی نوعیت خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم، تمام مخلوقات مشیت الہی کے مطابق یکے بعد دیگرے الگ الگ وجود میں لائی گئیں۔ آسمان اور زمین، ستارے اور سیارے۔ دنیا اپنے تمام آفاقی مظاہر کے ساتھ وجود میں آئی اور اس کی زمین پر پہلے جمادات، پھر نباتات، تب حیوانات اور سب سے آخر میں انسان کی پیدائش ہوئی، جس کی تخلیق کے عناصر ترقیبی میں دوسری مخلوقات کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر انسان کی ساخت اپنی مکمل شکل میں دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز اور بہترین ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے ایک درجہ مخلوق — قرآن کے لفظوں میں ”خلقاً آخر“ بنایا ہے اس سے پہلے کی بات صرف خدا کے علم میں ہے اور بعد کی ترتیبات کے بھی بعض اسرار و رموز غیب ہی میں رکھے گئے ہیں۔ انسان کو صرف اس کی تخلیق اور حیات و کائنات کے چند محققانہ تباہیہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ خدا نے آدمی کو بہترین سانچے ”احسن تعویم“ ہی پیدائی ہے یہ اشارہ ہے اس نکتے کی طرف کہ انسان حیات کا عظیم ترین مظہر اور خطا کی بہترین مخلوق ہے جسے کائنات کے خالق کا علم دے کہ جنوں اور فرشتوں تک پر فضیلت دی گئی، تاکہ وہ دنیا میں خدا کا نائب بن کر مشیت الہی کے منصوبوں کی تکمیل کرے اور ہستی کے اس امتحان میں کامیاب ہو کر درجے سے بڑا انعام حاصل کر سکے۔ جیسا قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے جن کا حوالہ آئندہ سطروں میں دیا جا رہا ہے۔

یہ ہے اسلام کا نظریہ حیات جو قرآن سے عیاں ہے۔

بیمہ روں سے مکمل نجات حاصل کیجئے

وایپ ماسکیٹومیٹ



ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL
PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

جاپان کی وزارت صحت سے منظور شدہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَقُوا اللَّهَ
حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.



PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED